Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:12 (1969) © rasailojaraid.com

الفرّاء اور اُس کی تفسیر معانی القرآن

احمد خان فیلو ادارۂ تحقیقات اسلامی

عربی زبان کے مشہور نحوی ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا نسب نامہ بہت مختصر مل سکا ہے۔ تذکرہ نگاران کا سلسلہ نسب یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ بن منظور تک بیان کرتے ہیں۔ یاقوت حموی اسے منظور کے بعد مروان تک پہنچاتا ہے۔ ابن الندیم نے الفہرست میں کہا ہے کہ فراء کے دادا کا نام قرا عجب تھا مگر یہ نام بالکل ہی غیر مانوس سا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ فراء کے دادا فارسی ہوں مگر اہلِ فارس کے ہاں بھی یہ نام کہیں نہیں ملتا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہ لفظ فراء کے ساتھ کوئی اور لفظ تھا جو ابن الندیم پر واضح نہ ہو سکا۔

فراء کے اجداد دیلم سے تعلق رکھتے تھے جو فارس کا ایک صوبہ تھا، اسی بنا پر ان کی نسبت دیلمی آتی ہے۔ ان کے کوفہ میں بسنے کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مسلمانوں کی فتوحات کے بعد ان کا میل جول جہاں دوسری اقوام کے ساتھ ہوا، وہاں فارسیوں کے ساتھ بھی ہوا۔ اس اختلاط کے دور میں فراء کے خاندان کے کوئی صاحب دیلم سے نقل مکانی کر کے کوفہ میں آ بسے تھے۔ ہجرت کا سبب غالباً کسب معاش تھا یا سکون کی زندگی کی تلاش۔ جو ظاہر ہے مرکزِ اسلام کے قریب زیادہ ممکن تھی یا پھر وہ اس جذبے کے تحت کوفہ پہنچے جس کے تحت محکوم اپنے حاکم کے علاقے کی طرف اعلیٰ تہذیب و تمدن کے حصول کے لئے جاتا ہے۔ اس خاندان کے افراد کے نام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے فتحِ ایران کے وقت ہی کوفہ منتقل ہو گئے تھے اور یہاں پہنچ کر اُن کے خاندان کے کوئی صاحب بنو منقر یا بعض کے نزدیک بنو اسلم سے جو بنو اسد کی شاخ تھی، منسلک ہو گئے تھے۔ بعد میں وہ انہی سے انتساب کرنے لگے۔ چنانچہ فراء کی نسبت الاسلمی اسی وجہ سے ہے۔

فراء کے خاندان کے لوگ بہت اچھے مذہبی جذبات کے حامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زیاد جناب الحسین ابن علی بن الحسین کے ساتھ واقعہ فخ میں شریک ہوئے۔ ان کا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الأ قطع پڑ گیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۶۹ھ میں خلافت موسیٰ الہادی کے ایام میں پیش آیا تھا[1]۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خاندان نہ صرف مذہبی تھا بلکہ اس وقت کی سیاسیات میں بھی شریک ہوتا تھا۔ اس خاندان کے ابتدائی مذہب کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے اہلِ دیلم مجوسی مذہب کے پیرو ہوں کیوں کہ یہی مذہب اس دور میں عام طور پر رائج تھا۔ مگر اتنا یقین ہے کہ یہ خاندان بہت قدیم سے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ ممکن ہے کہ جب مسلمانوں نے ان علاقوں کو فتح کیا تو یہ خاندان حلقہ بگوش اسلام ہوا ہو، اور پھر مرکزِ اسلام کے قریب رہنے کے لئے بلادِ عربیہ میں منتقل ہو گیا۔ یا پھر اپنے پُرانے مذہب پر رہتے ہوئے عرب ممالک میں آیا ہو، اور اسلام کی ارفع و اعلیٰ تہذیب سے روشناس ہوتے ہی خلفائے راشدین کے عہد میں اسلام کے دامن میں پناہ گزین ہو گیا ہو۔ مگر غالب قیاس یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھوں پر اُن کے مورث اعلیٰ مسلمان ہوئے تھے، وہ بنی اسلم کے کوئی مجاہد تھے۔ اس لئے اس خاندان میں اسلمی کی نسبت بذریعہ موالات قائم ہو گئی۔ اور یہی طریقہ اس زمانہ میں تعارف کا پیدا ہو گیا تھا۔ مشہور زمانہ امام ابن حزم ظاہری بھی اسی طرح موالات کی بنا پر اُموی کہلاتے ہیں۔ اور ایسے ہی امام بخاری جُعفی کہلاتے ہیں۔

فراء کا گھرانا کوئی امیر کبیر گھرانا نہ تھا اس لئے فراء کا بچپن نہایت ہی عسرت میں بسر ہُوا۔ اس کی غربت اور گمنامی کی وجہ سے ان کے بچپن کے حالات نہیں ملتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فراء ایک ذکی الفہم، دقیقہ سنج اور روشن دماغ کی حیثیت سے جوانی کی عمر میں اچانک دنیا کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں مگر ان کی پہلی زندگی پردہ خفا ہی میں ہے۔

بعض لوگوں کے لقب اور نسبتیں بھی ان کی ابتدائی زندگی پر کسی نہ کسی زاویہ سے روشنی ڈالتی ہیں مگر

---

[1] اس واقعے سے ابن خلکان کو دھوکا ہُوا کہ شاید الحسینؓ بن علیؓ شہید کربلا کا واقعہ ہے۔ چنانچہ اس نے زیاد کے بارے میں اس واقعے کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہو سکتا ہے فراء کا دادا اس جنگ میں شریک ہُوا ہو۔ مگر معاملہ یوں نہیں ہے بلکہ وہ الحسین بن علی بن الحسین کوئی اور شخصیت ہے۔ یہ واقعہ ۱۶۹ھ میں فخ کے مقام پر پیش آیا تھا۔ فخ مکہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ ابنِ خلکان کی تتبع میں معانی القرآن کے محققین کو بھی یہی غلطی ہوئی ہے۔ اس واقعے کی صحت کے لئے دیکھیے:۔

الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، مطبوعہ نجف ۱۹۳۶ء ج ۱ ص ۳۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یحییٰ بن زیاد کا لقب الفراء بھی ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ لقب بھی ان کو شہرت کی زندگی ہی میں ملا۔ ان کے لقب فراء کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔ یہ لقب اُن کی کسی ایک خصوصیت کی بنا پر دیا جانا بتایا جاتا ہے۔ فراء کے ایک عام معنی سمور کی کھال سینے یا بیچنے والا ہے۔ مگر یہ خصوصیت نہ فراء میں خود اور نہ فراء کے اجداد میں سے کسی شخص کی معلوم ہوئی ہے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ نام ان کی زبان شناسی اور تحسین وطلاقت کی بنا پر انہیں دیا گیا۔ ان کے بارے میں بڑا مشہور قول ہے:۔ انہ لیفری الکلام۔[۲] ابن الانباری اپنی کتاب الاضداد میں کہتا ہے کہ:۔ انما سمی الفراء فراء لانہ کان یحسن نظم المسائل فشبہ بالخارز الذی یخرز الأدیم۔ (فراء کو فراء اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مسائل کو بہت عمدگی کے ساتھ ترتیب دیتا تھا۔ اسی وجہ سے خارز (یعنی چمڑا کمانے والے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی) بعض نے کہا ہے کہ:۔ سمی فراء لقطعہ الخصوم بالمسائل التی یعنت بھا۔ (اسی وجہ سے اس کا فراء نام پڑا کہ جو مسائل اسے درپیش ہوتے تھے، ان کے جدل کو اپنے دلائل سے ختم کر دیتا تھا) اس معنی میں لفظ فری کو زہیر نے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:۔

ولأنت تفری ماخلقت وبعض القوم یخلق ثم لا یفری

حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کو یہ لقب ان کی معلوم زندگی کے کس مرحلے پر ملا۔ مگر اندازہ یہ ہے کہ جب فراء حصولِ علم کے بعد ایک کامل عالم بن چکے تھے اور اپنے دلائل سے وہ اپنے مخالف پر غالب آ جایا کرتے تھے، تب ہی کسی کی طرف سے یہ لقب انہیں دیا گیا ہوگا۔

ولادت و وفات

کسی بڑے فاضل کے سوانح لکھنے والے کے لئے اس کی تاریخ ولادت کا تعین کرنا کچھ زیادہ آسان نہیں ہوتا۔ البتہ تاریخ وفات متعین ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ بالکل عیاں ہے کیونکہ پیدائش کے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بڑا ہو کر یہ شخص ایک عظیم عالم بنے گا مگر اس کے برعکس وفات کے وقت اُس کی شخصیت مکمل ہو کر افقِ شہرت پر جلوہ ریز ہو چکی ہوتی ہے۔ لہذا ولادت کی تاریخ ازراہِ تحقیق نامعلوم اور وفات کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ ایسا ہی معاملہ فراء کے ساتھ بھی ہوا۔ سوائے چند ایک کے سب کا اتفاق ہے کہ فراء کی

۲؎ سمعانی: کتاب الانساب۔ مطبوعہ گب میموریل ۱۹۱۲ء ورق ۲۴۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفات ۲۰۷ھ میں ہوئی۔[۳] نزھتہ الالبا میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مامون کے بغداد میں داخلے کے تین سال بعد فراء نے وفات پائی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ مامون بغداد میں ۲۰۴ھ میں داخل ہوا[۴] ۔ اسی طرح نزھتہ الالبا میں تحریر ہے ۔ توفی الفراء سنة سبع ومئتين فی طریق مکه وقد بلغ ثلاثاً وستین سنة ۔ یہی تاریخ وفات یاقوت نے معجم الادبا میں لکھی ہے[۵] مقام وفات کے اختلاف کے ساتھ یہی عبارت تاریخ بغداد میں بھی مرقوم ہے ۔ اس طرح فراء کی پیدائش ۱۴۴ھ قرار پاتی ہے[۶] اسی تاریخ کو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے اور یہی سن پیدائش الزرکلی کی الاعلام میں ہے ۔

جس صدی کے وسط میں فراء پیدا ہوا ، اس کی ابتدا ہی سے زبان و ادب کے لحاظ سے دو ایسے مرکزِ علم معرضِ وجود میں آ چکے تھے ، جن کی طرف اکتسابِ علم کی خاطر علماء سفر کیا کرتے تھے ۔ ایک

---

۳ یاقوت رومی : معجم الأدباء مطبوعہ مصر ۱۹۲۵ء ج ۷ ص ۲۷۸ و ابن الأنباری : نزھتہ الألباء مطبوعہ مصر ۱۲۹۴ھ ص ۱۳۷ ۔ و ابن الندیم : الفہرست مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۸ھ ص ۱۰۰ ۔ و خطیب بغدادی : تاریخ بغداد مطبوعہ مصر ۱۹۳۱ء ج ۱۴ ص ۱۵۵ ۔

۴ ڈاکٹر احمد فرید رفاعی : عصر المامون مطبوعہ قاہرہ ۱۹۲۸ء ج ۱ ص ۲۶۹ ۔

۵ خیال رہے کہ یاقوت نے معجم ہی میں ایک دوسری جگہ فراء کی وفات ۲۰۴ھ بھی بتائی ہے ۔ جو ہندسوں میں تحریر ہے ظاہر ہے اس میں کاتب سے تصحیف ہو گئی ہے ۔ اسی طرح سمعانی کی کتاب الأنساب (۲۴۰) میں تسع و مئتین (۲۰۹ھ) ہے ، یہ بھی کاتب کا تسامح ہے جس نے سبع کو تسع پڑھا ہے یا وہ جلدی میں سبع کو تسع لکھ گیا ہے ۔

۶ فراء کی ایک کتاب الایام واللیالی والشہور مصر سے ۱۹۵۶ء میں ابراہیم الأبیاری کی تحقیق سے چھپی ہے ۔ اس پر محقق نے فراء کا سن ولادت ۱۲۴ھ لکھا ہے ۔ اتنے بڑے فاضل سے ایسی غلطی تو ممکن نہ تھی البتہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طباعت کی غلطی ہے ۔ فراء کی عمر کے بارے میں ایک اور اختلاف سیوطی کی بغیہ الوعاۃ میں وارد ہوا ہے ۔ وہ فراء کی عمر ۶۷ سال بتاتے ہیں ۔ اس طرح ان کی پیدائش کا سن ۱۴۰ھ بنتا ہے ، ظاہر ہے سیوطی سے بھی مسامحت ہوئی ہے یا پھر کاتب کی غلطی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو خود فراء کی مرزبوم کوفہ تھا اور دوسرا بصرہ۔ ان دونوں مراکز کی اپنی اپنی خصوصیات تھیں جو شدت اختیار کرکے بعد میں نحو کے دو مکاتبِ فکر بن گئیں۔ کوفہ میں عربی اور عجمی اثرات کے علاوہ سریانی اثرات بھی جمع تھے۔ مگر اس کے برعکس بصرہ اپنے اندر صرف عربی خصوصیات سمیٹے ہوا تھا۔

فراء نے ابتدائی تعلیم، جیساکہ عام رواج تھا، قریبی مسجد میں حاصل کی۔ والدات نے امیر نہ تھے کہ سفر کا خرچ برداشت کرتے۔ اس لئے کافی عمر تک کوفہ ہی میں رہے۔ بعد میں بصرہ کے شیوخ سے بھی استفادہ کیا۔ مگر تکمیل تعلیم پھر کوفہ ہی میں آکر کی۔ زندگی کے آخری سال بغداد میں گزارے۔

فراء نے کتنے سال کوفہ یا بصرہ یا بغداد میں گزارے۔ ان کی تحدید بہت دشوار ہے۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ بغداد میں زندگی کا زیادہ ہی وقت صرف کیا۔ ابتدائی سالوں میں کوفہ کے بعد بصرہ میں قیام رہا۔ وہیں پہ بصری علماء سے جن میں ابوجعفر الرواسی سرفہرست ہیں، اکتسابِ علم کیا۔ فراء کے بصرہ جانے سے قبل خلیل احمد الفراهیدی انتقال کرچکا تھا۔

اساتذہ وشیوخ

فراء کے اساتذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لغت میں اس نے ابوزید، ابوعبیدہ، الاصمعی اور سعید بن مسعدۃ الاخفش سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا ہے۔ ابومحمد عبداللہ بن محمد التوّزی نے ایک مرتبہ بغداد میں فراء سے ملاقات کی تو فراء نے اس سے پوچھا:۔ ما فعل أبوزيد؟ قلت (اى التوّزى): ملازم لبيته ومسجده وقد أسنّ۔ فقال ذاك أعلم الناس باللغة واُحفظهم لها۔ وما فعل ابوعبيدة؟ قلت: ملازم لبيته ومسجده على سوٴخلقه۔ فقال: أما إنه اكمل القوم وأعلمهم بايام العرب ومذاهبها۔ ما فعل الأصمعى؟ قلت: ملازم لبيته ومسجده قال: ذاك أعلمهم بالشعر واتقنهم لغة وأحضرهم حفظاً۔ وما فعل الأخفش يعنى سعيد بن مسعدة؟ قلت: معافى تركته عازماً على الخروج إلى الرىّ۔ قال: أما انه ان كان خرج فقد خرج معه النحو كله والعلم بأصوله وفروعه۔ [۲]

ان تمام حضرات کے بارے میں فراء کی اس رائے سے گمان ہوتا ہے کہ اس نے بصرہ کے قیام کے

---

[۲] ابوالطیب اللغوی: مراتب النحويّين، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۴۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوران ان حضرات سے استفادہ کیا ہے۔ ورنہ دہ ان کی وسعتِ علم کے بارے میں اپنی فیصلہ کن رائے کا اظہار کیسے کرتا۔ اُس وقت یہ عام قاعدہ تھا کہ لغت میں پختگی حاصل کرنے اور زبان کو حضری آلائشوں سے پاک کرنے کے لئے طالبانِ کمال بادیہ کا رُخ کرتے تھے۔ چنانچہ فرار نے بھی ابتدائی تعلیم کے بعد بدوؤں کے اندر زندگی کا ایک حصہ گزارا۔ ان قبائل کی فہرست بہت طویل ہے جس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔ علاوہ بریں ایسے بدّو جن کے ہاں اصلاح زبان کی خاطر لوگ اکثر حاضری دیتے تھے، ان کا وجود بغداد، بصرہ، کوفہ اور دوسرے بڑے بڑے شہروں کے اندر بھی تھا۔ چنانچہ فرار نے ان کے سامنے بھی حصولِ زبان کی خاطر زانوئے تلمذ تہ کیا۔

فرا کی مشہور و معروف کتاب "معانی القرآن" ہمارے پاس ایک ایسا عظیم ذریعہ ہے جس کے واسطے سے اس کے اساتذہ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ نہایت ہی اچھی بات ہے کہ فرار کو جو بات اس کے اساتذہ سے پہنچی ہے، وہ اسے اپنے استادوں کی طرف منسوب کرنے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتا۔ یہ اس لئے کہ اُس دَور میں بلا روایت بات غیر مستند خیال کی جاتی تھی۔ چنانچہ عام طور پہ علماء جن جن حضرات سے علم حاصل کرتے تھے اُن کی روایات کا ذکر ضرور کرتے تھے۔

معانی القرآن کے چیدہ چیدہ مقامات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ فرار نے القاسم بن معن، المفضل الضبی، ابو ثروان، ابو الجراح العقیلی، ابو القمقام الفقعسی، ابو فقعس اور یونس بن حبیب البصری سے علم لغت و نحو حاصل کیا۔ اس مقصد کے لئے فرار نے بنو حنیفہ، بنو عبس، بنو عامر، بنو فقعس، بنو دبیر، بنو کلاب بنو باہلہ، بنو حارث، بنو قنانہ، بنو عکل، بنو طی، بنو ربیعہ اور بنو نمیر میں بہت سے لوگوں سے شعری و نثری ادب سُنا اور حفظ کیا۔ اس دوران میں فرار نے صرف مردوں سے ہی نہیں بلکہ عورتوں سے بھی لغت و زبان کا علم حاصل کیا۔ قبیلہ عقیل کی ایک بہت بڑی فصیحہ عورت کے ہاں جس کے پاس اسی مقصد کے لئے بہت سے لوگ حاضر ہوتے تھے، فرار نے بھی حاضری دی۔ اس کے علاوہ غنی قبیلہ کی کسی محب ادب و شعر خاتون سے بھی شعری ادب حاصل کیا۔ قبیلہ دبیر کی ایک عورت کی خدمت میں بھی وہ حاضر ہوئے۔

ان قبائل کے مواطن کو متعین کر کے فرار کے بارے میں حتمی طور پہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کس کس بادیہ اور شہر کا سفر کیا۔ پھر ان لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں علم ہونے کی صورت میں فرار کے حصولِ علم کا وقت بھی متعین کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کام کافی محنت و کاوش کا طالب ہے جو سرِدست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے بس سے باہر ہے۔

ابھی ان اساتذہ کا ذکر باقی ہے جن سے فراء نے بالواسطہ یا بلاواسطہ حدیث کی روایت کی ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل میں یہ واضح کرنا مناسب خیال کرتا ہوں کہ فراء کے ہاں لفظ "حدثنی" کس طرح استعمال ہوا ہے۔ یہ تو سب کو علم ہے کہ حدثنی یا حدثنا وغیرہ جو کلمات مشہور محدثین سے مروی ہیں۔ تو وہ حدیثِ رسولؐ کی روایت کے لئے استعمال ہوتے ہیں فراء نے اس لفظ کو جس طرح استعمال کیا ہے، وہ بالکل جدا معنی رکھتا ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن و حدیث کے معنوں میں یا تشریح کے طور پر کسی اُستاد سے فراء نے حاصل کی اس کے لئے اس نے "حدثنی فلان" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس طرح جب کہیں کوئی بات اُسے کسی سے ملی تو اس نے اس شخص کا نام دے کر حدثنی لکھ دیا ہے۔ چنانچہ ہم نے اِن سب حضرات کو فراء کے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ ممکن ہے اس طویل فہرست میں ایسے غیر معروف لوگ بھی نظر آئیں جنہوں نے قرآن و حدیث یا فقہ کے کسی میدان میں کوئی نمایاں خدمت سرانجام نہ دی ہو۔ مگر فراء نے حدثنی کہہ کر ان سے کوئی بات لے لی ہو۔ اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات فراء کے عہد سے بھی تعلق نہ رکھتے ہوں یعنی فراء ان حضرات سے براہِ راست تو نہ ملا ہو مگر ان کے تلامذہ سے اُس کی ضرور ملاقات ہوئی ہو۔ تو اس حالت میں صرف یہ جان لینا چاہیئے کہ اُس وقت یہ عام عادت تھی کہ جب کوئی شخص کسی مشہور و معروف ہستی کی روایت کسی عام آدمی سے حاصل کرتا تھا تو بیچ کے اس واسطے کو حذف کر جاتا تھا اور براہِ راست اس معروف عالم سے اس بات کو اخذ کردہ بتا جاتا تھا، اور یہ طریقہ اتنا عام تھا کہ اہلِ علم کا اکثر اس پر عمل تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فراء نے بھی چند ایسے علماء سے روایت کی ہے جو اُس سے پہلے گزر چکے تھے مگر اُن کی طرف سے اس "حدثنی" کہنے پر فراء کے کسی شاگرد نے اُسے بالکل نہ ٹوکا اور نہ یہ انہیں کوئی اجنبی چیز محسوس ہوئی۔ بہرحال اس فہرست سے اتنا ضرور واضح ہوتا ہے کہ فراء نے کس کس مدرسۂ فکر سے اکتسابِ علم کیا اور کس کس معمولی اور غیر معمولی شخصیت کے ہاں وہ حصولِ علم کے لئے پہنچا ہے۔

"معانی القرآن" سے ہمیں فراء کے اِن اساتذہ کا علم ہوتا ہے: قیس بن الربیع الأسدی، محمد بن ابان القرشی، ابو شہاب حنّان، ابو اسحاق الشیبانی، ابن ابی یحییٰ، ابو معاویہ، محمد بن خازم الکوفی الضریر (متوفی ۱۹۰ھ) سفیان بن عُیینہ، ابوبکر عیاش، بشار الناقط، محمد بن المفضل الخراسانی، عبداللہ بن ادریس، حفص بن غیاث،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرام، شریک بن عبداللہ النخعی، الحسن بن عیاش، عمرو بن ابی المقدام، محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، ابوالاحوص سلام، محمد بن عبدالعزیز التیمی، عبداللہ بن مبارک، اسمٰعیل بن حنیفہ، ابو اسرائیل، معلی بن ھلال، ابویعلی السجستانی ہشیم، عماد بن الصلف العکلی، مندل بن علی، الحکم بن ظہیر، اور محمد بن علی المراغی ابوبکر احد رواۃ عاصم۔ ان میں بڑے بڑے محدثین بھی ہیں اور عام درجہ کے اساتذہ بھی۔ مگر فرا کے اخذ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حصولِ علم کی خاطر انھوں نے چنداں تفریق نہیں کی اور جس کسی سے جو کچھ ملا جمع کر لیا۔

نحوی علم

اُس وقت مکاتبِ نحو میں اس قدر شدت پیدا نہیں ہوئی تھی جس قدر کہ بعد کے اَدوار میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ بصرہ کے لوگ کوفی اساتذہ اور کوفہ کے لوگ بصری اساتذہ کے ہاں کسبِ فیض کی خاطر آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ فرا بھی کئی دفعہ بصرہ گیا ہے۔ بصری علماء میں، جن سے فرا نے اکتسابِ علم کیا، سرِفہرست یونس بن حبیب ہیں، جو لغت کے مشہور عالم گزرے ہیں، اور بصری مدرسہ نحو کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مدرسۂ کوفہ کے علم بردار اس بات سے منکر ہیں کہ فرا نے یونس بن حبیب سے استفادہ کیا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ بصرہ میں فرا نے سب سے پہلے انہیں کے ہاں حاضری دی ہے۔ کئی مقامات پر فرا نے اپنی کتاب معانی القرآن میں ان سے روایت بھی کی ہے۔

اُس وقت تو جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے، نحو کے دونوں مکاتب میں اس قدر یہ خاش نہ تھی اس لئے لوگ بصرہ اور کوفہ کے علماء سے بلاتفریق اکتساب کر لیتے تھے۔ یہ شدتِ اختلاف تیسری صدی میں ظاہر ہوئی۔ اسی دَور میں بصری مکتبِ نحو کے اہم رکن یونس بن حبیب سے فرا کی لاتعلقی کے اظہار کی خاطر کوفی مکتبِ نحو کے لوگوں نے یہ بات گھڑی کہ فرا، یونس سے ملے ضرور ہونگے مگر اس سے اُنھوں نے استفادہ نہیں کیا۔ اس بات کا راوی ابوموسیٰ ہے جو فرا کا مخالف بھی رہا ہے[8]۔ ابواسحاق بن السری الزجاج نے ابوموسیٰ کی اس روایت سے انکار کیا ہے[9]۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ہونا چاہیئے کہ فرا نے یونس ابنِ حبیب سے بہت کچھ سیکھا۔ اُن کے ساتھ کئی مسائلِ لغت و نحو میں فرا کی موافقت کتب ادب

---

۸) معجم الادبا۔ ج ۱ ص ۵۱۔ ۹) ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جا بجا ملتی ہے۔ فرا نے اُن سے زبان و ادب میں کئی شواھد کی روایت بھی کی ہے۔ اس لیے یہ حقیقت ہے کہ فرا ایک شاگرد کی حیثیت سے یونس کے ہاں بصرہ میں مقیم رہا ہے[۱۰]

جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں، فرا نے بصرہ میں یونس بن حبیب کے علاوہ اور بھی کئی حضرات سے لغت، نحو اور حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر جب بصرہ سے وہ واپس کوفہ آیا تو ابوجعفر الرواسی کے شاگردوں میں شامل ہو گیا۔ اور بالآخر یہیں سے کسائی کا مدمقابل بن کر بغداد پہنچا۔

کسائی چند سال قبل رواسی سے فارغ التحصیل ہو کر بصرہ میں خلیل کے شاگرد بن چکے تھے چنانچہ یہیں سے وہ تکمیلِ تعلیم کے بعد بغداد چلے گئے تھے۔ ان ایام میں بغداد کعبۂ علم بنا ہوا تھا اور دور و نزدیک سے علماء و فضلاء اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ خلفائے عباسی علماء کو قدردانی کے طور پر بڑے بڑے مناصب دیتے تھے۔ چنانچہ کسائی کے بغداد پہنچتے ہی انہیں خلیفہ ہارون الرشید کے ہاں اس کے بیٹوں کو قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مقرر کر دیا گیا۔

فراء کے مناظرے

تکمیلِ تعلیم کے بعد ابوجعفر الرواسی نے فراء سے کہا کہ کسائی بغداد چلا گیا ہے تم بھی وہاں چلے جاؤ[۱۱] دراصل اس مشورہ سے رواسی کا دوگونہ مقصد تھا۔ ایک یہ کہ فرا بھی بغداد میں قسمت آزمائی کرے اور ظاہر ہے اس کش مکش میں بغداد میں کئی حضرات سے اس کے مناظرے بھی ہوں گے۔ جو ذہنی جِلا کے لئے ایک ضروری امر ہوتا ہے[۱۲]۔ دوسرے رواسی اپنے باغی شاگرد کسائی کے ہوش بھی درست کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ فرا بہت بڑا فطین شخص

---

۱۰ مہدی المخزومی، مدرسۃ الکوفۃ، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۸ء ص ۱۲۱۔

۱۱ معجم الادباء، ج ۲ ص ۲۸۰۔

۱۲ اس دور میں مناظرہ تکمیلِ علم کا ایک ذریعہ بھی تھا۔ ایک فن کی حیثیت سے باقاعدہ اس کی تربیت کی جاتی تھی۔ انسانی ذہن کی کئی خوبیاں صرف مناظرے ہی سے اجاگر ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرا نے بھی اپنی زندگی میں بیسیوں مناظرے کیے۔ اس کے ان مناظروں سے ہرگز یہ تصور نہ لیا جائے کہ وہ صرف دوسروں کی توہین و تذلیل کی خاطر ایسا کرتا تھا بلکہ اس کش مکش میں بڑھنے والا علم اس کا گوہرِ مقصود تھا۔ اگرچہ مناظرے نے متاخرین کے ہاں ایک قبیح شکل اختیار کر لی۔ مگر اُس زمانہ میں یہ کوئی بُری بات نہ تھی بلکہ اضافۂ علم کا ایک ذریعہ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا اور کسائی کی نسبت لغت میں بھی کمال پیدا کر چکا تھا۔[۱۳]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رداسی کے کہنے پر نہیں بلکہ فرار کو کسی نحوی نے کہا کہ :۔ کسائی میں اور تم میں فرق ہی کیا ہے؟ علم نحو میں تم اس کے مثیل ہو۔ چنانچہ فرار کو یہ مدح بہت پسند آئی اور وہ کسائی سے مناظرے کی خاطر بغداد روانہ ہو گیا[۱۴] بغداد میں آنے کی دونوں روایات دراصل ایک ہی ہیں مگر ان کے موقع و محل جدا ہونے کی وجہ سے وہ الگ الگ نظر آتی ہیں۔ یہی روایت جو ابن الانباری نے اپنی کتاب اُنباء الرواۃ میں اور یاقوت نے معجم الادبار میں احمد بن یحیٰی الثعلب کی زبان سے بیان کی ہے وہ اس دور کی ہے جب فرار ابھی کسائی کے معتقد نہیں ہوئے تھے (یہاں یہ بھی خیال رہے کہ فرار متعدد مناظروں کے بعد کسائی سے ملحق ہو گئے۔ اور بعد میں باقاعدہ کسائی کے حواریوں میں شمار ہونے لگے) بلکہ اس کے مدمقابل کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ اسی روایت کی داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت فرار جوان تھا۔ اس عمر میں اس قسم کا جوش عموماً نظر آیا کرتا ہے۔ مگر دوسری روایت اس عہد کی ہے جب فرار باقاعدہ کسائی کے حلقہ معتقدین میں نہ صرف شامل ہو چکے تھے بلکہ اس کے ہاں تقرب بھی حاصل کر لیا تھا۔ اس زمانے میں جب کوئی شخص ان سے پہلے قول کے بارے میں جو انہوں نے کسائی سے مناظرہ کے ضمن میں کہا تھا، پوچھتا تو فرار اپنے اُستاد روائی کی طرف اسے منسوب کرنے کے بجائے " قال نحوی " کہہ دیا کرتے تھے۔ اس روایت کے آخری کلمات :۔ فسائی کنت طائراً یغرف من البحر بمنقارہ[۱۵] کسائی کی خوشنودی کی خاطر کہا کرتا تھا۔ یا پھر بعید نہیں کہ اس آخری دور میں کسائی واقعی علم کا ایک بحرِ زخار بن چکا تھا اس لئے کہ بصرہ اور کوفہ میں حصولِ علم کے بعد اس نے عرب کے بادیہ نشینوں میں بہت دشت نوردی کی تھی اور کئی علمار و اہلِ زبان کے ہاں حاضری دی تھی۔

جس طرح بعض اوقات ایک ہی اُستاد کے شاگردوں میں اُستاد کی موجودگی میں منافست ہوتی ہے، اسی طرح کسائی کے دونوں شاگردوں اُحمر اور فرار میں بھی علمی مسائل پہ چشمک ہوتی رہتی تھی۔ اُحمر عمر میں فرار سے

---

[۱۳] مدرسۃ الکوفۃ۔ ص ۱۲۱۔

[۱۴] الزبیدی: طبقات النحویین واللغویین۔ مطبوعہ مصر ۱۹۵۴ء ص ۱۴۱ و معجم الادبار ج ۵ ص ۱۹۵۔

[۱۵] معجم الادبار ج ۵ ص ۱۹۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑا تھا۔ اس لئے یہ روایت کسی حد تک مبنی بر صداقت ہے کہ فراء نے احمر سے کچھ حاصل کیا ہو۔ اس لئے کہ جب فراء بغداد میں داخل ہوا تو کسائی کا یہی ایک چوٹی کا شاگرد تھا۔ ممکن ہے کسائی نے یہ قاعدہ بنا رکھا ہو کہ اس کے حلقہ میں شامل ہونے سے پہلے اُحمر سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنا ضروری ہے۔ مگر بعد میں یہ دونوں آپس میں بحث مباحثہ کر کے ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد تقرب اُستاد تھا۔

اس میں شک نہیں کہ جو قدر و منزلت اُحمر کو ملی، وہ فراء کو کبھی میسر نہ آئی۔ کسائی کے بعد اُحمر خلیفہ کی اولاد کا مؤدب مقرر ہوا، اس کے لئے بہت عمدہ اقامت گاہ کا انتظام کیا گیا۔ مگر جس دور میں اُحمر خلیفہ کا مقرب تھا اس کا دور علمی وقار نہ رہا تھا، جو پہلے تھا۔ محمد بن الجہم السمری کہتے ہیں کہ جب ہم اُحمر سے ملنے کے لئے محل میں جاتے تو خدام، جاہ و جلالت اور شاہی شان و شکوہ دیکھتے۔ ہم یہ بھی دیکھتے کہ اُحمر کے لباس سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہوتیں۔ وہ ہم سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتا۔ مگر اس کے برعکس جب ہم وہاں سے فراغت کے بعد فراء کے پاس جاتے تو وہ ہم سے ترشروئی کے ساتھ پیش آتا اس کے کپڑے بھی اچھے نہ ہوتے۔ وہ اپنے دروازے پر بیٹھا ہوتا ہم اس کے سامنے مٹی پر بیٹھ جاتے۔ مگر یہ سب کچھ ہمیں اُحمر کے جاہ و جلال اور حسنِ سلوک سے بدرجہا زیادہ پسند آتا تھا[16] بلاشبہ احمر ایک عالم تھا۔ فراء نے بھی اس سے کبھی انکار نہیں کیا۔ باوجودیکہ ان دونوں میں تمام عمر چپقلش رہی، مگر وہ ایک دوسرے کے مقام سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ باہمی بُعد کے باوجود جب فراء کو احمر کی وفات کا علم ہوا تو اس نے احمر کے گھر پہنچ کر اس کے اہل و عیال سے تعزیت کا اظہار کیا اور کہا:۔ واللّٰہ لقد علمتہ صدوقاً سخیاً ذکیاً عالماً ذا مروأۃ ومودۃ رضی اللّٰہ عنہ[17] اور بالآخر حسرت سے کہا کہ:۔ ذہب من کان یخالفنی فی النحو[18]

وہ مشہور و معروف مناظرہ جو کسائی اور سیبویہ کے مابین ہوا ہے، اس میں فراء بھی موجود تھا۔ اس مناظرے کی تفصیلات ادب عربی کی کتب میں موجود ہیں۔ یہاں صرف اس حصہ کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جس میں فراء نے بھی حصہ لیا ہے۔ ان ایام میں فراء کسائی کے اصحاب میں احمر کے پایہ تک پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ مناظرہ کی جگہ پر اُحمر اور فراء اپنے اُستاد سے پہلے پہنچے۔ احمر نے سیبویہ پر ابتدائی سوالات کئے۔ سیبویہ جواب دیتا گیا۔ مگر وہ ہر جواب کو غلط قرار دیتا رہا۔ تب سیبویہ نے کہا: "ھذا سُوءُ أدب"۔ اس کے بعد فراء آگے بڑھا اور کہا کہ اُحمر ذرا سخت ہے اس کے کلام میں ترشی ہے۔ پھر فراء نے بھی ایک مسئلہ دریافت کیا، جس کا جواب درست نہ تھا۔ اس پر فراء نے سیبویہ سے کہا کہ اپنے جواب پر

---

[16] ایضاً ص ۱۱۰ ۔ [17] ایضاً ص ۱۱۱ [18] نزہۃ الالباء ص ۱۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظرثانی کر لیجیئے اور اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ مگر سیبویہ نے تنگ آکر کہا کہ میں تم دونوں سے اب کوئی بات نہیں کروں گا۔ کیا کسائی نہیں آئے گا تاکہ اس سے مناظرہ کروں۔ اتنے میں کسائی بھی آگیا۔ اور اس نے وہ مشہور مناظرہ کیا جس میں شکست کے بعد سیبویہ بہت رنجیدہ خاطر ہوگیا اور اسی غم میں اس کا ۱۷۰ھ میں انتقال ہوگیا۔[۱۹] اس واقعہ کے بعد ممکن ہے فرار کا جذبۂ نفرت، جو سیبویہ کے بارے میں تھا، بہت بڑھ گیا ہو۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ فرا نے سیبویہ کی الکتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

فراء آخری ایام میں الکتاب کی طرف کس قدر متوجہ تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ وفیات الأعیان میں جاحظ کا بیان ہے:-

أردت الخروج الی محمد بن عبد الملک الزیات وزیر المعتصم ففکرت فی شئٍ اھدیه له۔ فلم أجد شیئاً أشرف من کتاب سیبویه .... قال ابن الزیات: أوظننت أن خزانتنا خالیة من ھذا الکتاب؟ فقال الجاحظ: ما ظننت ذلك ولکنها بخطّ الفراء ومقابله الکسائی وتھذیب عمرو بن بحر الجاحظ یعنی نفسه۔ فقال ابن الزیات ھذه أجلّ نسخة توجدوا أعزھا۔[۲۰] (مسلسل)

---

[۱۹] معجم الادباء۔ ج ۵ ص ۱۹۱-۱۹۲ وج ۶ ص ۸۳۔

[۲۰] - (وفیات الاعیان)۔ ۳ / ۱۳۳۔

معجم الأدبا (۶/۸۵) میں ہے کہ "وہ کسائی کے ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ تھا۔ اور فرار نے مقابلہ کیا تھا اور اس پر نظرثانی جاحظ نے کی تھی۔" مگر میں سمجھتا ہوں کہ کسائی کا لکھنا قرینِ قیاس نہیں بلکہ فرار کا لکھنا زیادہ ممکن ہے۔ پھر 'معجم' میں ہے کہ محمد کے بیٹے ہارون کو یہ تحفہ دیا گیا۔ جو غیر ممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت نے یہ واقعہ محض سُن سُنا کر لکھ دیا تھا۔ اور اس کی کوئی تحقیق نہ کی تھی۔

© rasailojaraid.com